اے ۲۰۳۷

رجسٹرڈ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حب وطن از ملک سلیمان خوشتر ‏ خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر
یوسف کہ بمصر بادشاہی می کرد ‏ می گفت گدا بودن کنعاں خوشتر

قیمت سالانہ	۱
فی پرچہ	۲

کاکوری اخبار

جلد ۶ | کاکوری جمعہ یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء مطابق ۱۵ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۸ھ | نمبر ۹

ادبیات

(میر نذر علی صاحب علوی دردؔ کاکوروی)

اے شمع کس کے لیے بیقرار ہے ‏ کیوں سر بہ دُھن ہی ہو یہ کیوں اشکبار ہے
ہر گھونٹ خم چڑھائے مگر ہوشیار ہے ‏ دل سا بھی میکدہ میں کوئی بادہ خوار ہے
اے ضبط غم تو دھر میں رسوا نہ کر مجھے ‏ اشکوں کو دم سو داغ جگر کی بہار ہے
کسنے کہا جہان میں گلستاں کا ہو وجود ‏ واللہ یہ فریب طلسم بہار ہے
کیوں خرمن وجود تمنا نہ سوختہ ہو ‏ بجلی بھری ہوئی نگہ عشوہ بار ہے
خون جگر ہو زینت عنوان گلستاں ‏ لوح جبین صحن چمن لالہ زار ہے
آئینہ کہاں نے خاک میں جلوہ ریزیاں ‏ یہ نور پاش حسن ازل کی بہار ہے
کیوں در بدر ہو گنج معانی کیواسطے ‏ خود دل ترا دفینہ پروردگار ہے
کونین میں نہ غضب کو کہیں جگہ ‏ اتنی وسیع رحمت پروردگار ہے
جانسوزہ دلخراش شرر ریز اشکبار ‏ کس تفتہ دل کی آہ یہ شمع مزار ہے
ہو ارتقا سے روح کو اسدرجہ انبساط ‏ گویا کہ ہر نفس دم باد بہار ہے

کیوں ہر کھٹک پر آتی ہے لبیک کی صدا
اے دردؔ میرے پہلو میں کس کا مزار ہے

عزِ قیمتی دل علم ہو۔ سب سے بڑا نفع صحت ہے۔ سب سے اعلیٰ خوشی قناعت ہے۔

چند اقوال

دنیا میں انسانی تکالیف کے ایک بڑے حصہ کا سبب یہ ہے کہ لوگ چیزوں کی قیمت لگانے میں غلطی کرتے ہیں اور اکثر کے لیے مناسب سے بہت زیادہ دام دیتے ہیں۔ (فرینکلن)

جو شخص روکھی سوکھی روٹی پر گزارہ کر سکتا ہے اُسے امیروں کی مدد کی ضرورت نہیں۔ (فرینکلن)

انسان کے کاموں میں خداوند کریم کا راج دخل ہے۔ (فرینکلن)

ہمیشہ اپنے سامنے اعلیٰ معراج رکھو اور اُس تک پہونچنے کی کوشش کرتے رہو۔ (گارفیلڈ)

تمام پولیٹیکل زندگی میں ایک بات میرے مدنظر رہی۔ میری رائے ٹھیک تھی یا میرا خیال غلط تھا۔ میں ہمیشہ چاہتا رہا کہ اپنے عقائد کے مطابق عمل کروں۔ خواہ اس میں مجھے کتنی ہی دقت ہو۔ (گارفیلڈ)

اُس شخص کی زندگی مبارک ہو جس شخص کے چال چلن کے متعلق سُن کر والدین خوش ہوتے ہیں۔

دنیا میں بڑی بڑی مصیبتیں ہیں لیکن سب سے بڑی مصیبت قومی بےحِسی ہے۔

رشتہ داروں میں تنازعے ہوا ہی کرتے ہیں لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ دوسرے خاندان کی عزت پر ہاتھ ڈالا جائے۔

سب سے زیادہ قابل قدر چیز کسی کسب میں کمال حاصل کرنا ہو سب سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کاکوری اخبار

جلد ۶	کاکوری جمعہ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء	نمبر ۹

طالب علم اور سیاسیات

(از حسن ابن ضیا صاحب علوی تقیا کاکوروی)

ہندوستان پر آج کل ایک عجیب کیفیت طاری ہے طرح طرح کے سوالات رونما ہو رہے ہیں اُن میں سے تو اکثر اس قسم کے مسئلے ہیں جنھیں سن کر کچھ تعجب سا ہوتا ہے۔ چند لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے لئے یہ امر کہیں بہتر ہے کہ پوری طرح آزاد ہونیکے بجائے اسے مکمل آزادی نہ ملے۔ چونکہ غیر طبعی مسائل کی طرف میرا رجحان نہیں ہے اس لیئے مجھے اس قسم کی غیر حقیقی اور خیالی مسائل کے سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے پھر بھی ایک اور سوال پیش ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہو گیا ہے جس کا عنوان "طالب علم اور سیاسیات ہے"، بعض لوگ کہتے ہیں کہ۔ "طالب علموں کو سیاسیات میں حصہ نہیں لینا چاہیئے" اب دیکھنا یہ ہے کہ آخر سیاست ہے کیا؟ ہندوستان کے سرکاری حلقوں میں تو اس کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص حکومت کی مدد کرے یا اس کا ساتھ دے تو اس کو کسی طرح پر بھی سیاسی نہیں کہا جاتا۔ لیکن گورنمنٹ پر نکتہ چینی کرنا یا ہندوستان کے موجودہ نظام کے خلاف جد و جہد کرنا سیاست ہے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ طالب علم کون ہے؟ یہی اسکول کے چھوٹے بچے یا کالجوں کے نوجوان، لازمی طور پر دونوں کو ایک ہی نقطہ نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اونچی جماعتوں کے لڑکوں میں سے بہت سے آینوالے اسمبلی کے الیکشن میں ووٹر ہیں۔ ووٹ دینے کا مقصد یہ ہے کہ سیاسیات میں حصہ لیا جائے سوچ سمجھ کر ووٹ دینے کے لیے لازمی ہے کہ سیاسی مسائل کو بھی سمجھا جائے۔ سیاسی مسائل سمجھنے کے بعد ہر ایک انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مقصد کو کامیاب بنانے کی کوشش کرے اور اپنے اصول کے ماتحت اپنا ہم خیال بنائے۔ لہذا لازمی طور پر ہر ایک ووٹر کو ایک سیاسی آدمی ہونا پڑے گا۔ اور اگر وہ ایک باخبر اور با اصول شخص ہونا چاہتا ہے تو اس کو ایک جوشیلا سیاست دان ہونا ضروری ہے۔

صرف وہی لوگ سیاسی معاملات میں غیر جانبدار اور لاپروا ہوتے ہیں جو بغیر اپنے ذہن پر زور ڈالے ہوئے محض دوسروں کے کہنے سننے سے کام کرنیکے عادی ہو گئے ہیں۔ اور جن کے سیاسی اور معاشرتی احساسات مر چکے ہیں۔ لیکن ووٹر ہونے کے علاوہ بھی ہر طالب علم کو اگر اس کی تربیت صحیح طور پر کی گئی ہے تو اسے آئندہ زندگی اور ان کے مسائل سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیئے اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی ساری تعلیم اکارت ہے۔ لیکن دنیا کے ان مسائل کا تعلق زیادہ تر سیاسیات اور اقتصادیات سے ہے کسی شخص کی تعلیم اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ان مسئلوں کو سمجھ نہیں لیتا۔ غالباً بہت سے آدمیوں کے لیئے دنیا کے گھنے جنگل کے درمیان سے راستہ ڈھونڈھ نکالنا بہت مشکل ہے مگر پھر بھی چاہے ہم صحیح راستہ پا سکیں یا نہ پا سکیں کم از کم ہم کو اس کی کوشش سے تو ضرور واقف ہونا چاہیئے آخر وہ کیا مسئلے ہیں جو دنیا ہمارے سامنے پیش کرتی ہے؟ اس کا جواب کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو لیکن تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ لوگ سوال کی اصلیت کو بغیر سمجھے ہوئے جواب ڈھونڈھنے لگتے ہیں مگر کوئی بافہم اور سنجیدہ لڑکا ایسا فضول طرز عمل اختیار نہیں کر سکتا۔

قومیت۔ اعتدالیت۔ اشتراکیت۔ شہنشاہیت۔ استعماریت۔ فسطائیت۔ یا اسی قسم کے اور دوسرے نظریئے جو آج کل اس قدر اہم ہو رہے ہیں آخر ہیں کیا؟ مختلف قوموں اور جماعتوں کی طرف سے جو کوشش مسائل زندگی کے حل کرنے کے لیئے کی گئی ہیں یہ اُن کے نتائج ہیں ان میں سے کون سا نظریہ ہماری ضروریات کو حل کر سکتا ہے؟ یا آخر سب کے سب ہی غلط راستہ دکھاتے۔ بہر صورت ہمیں ایک نہ ایک راستہ اختیار ہی کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ اور اختیار ہی کرنا ہے اور اسکے لیئے یہ بات ناموافق ہے کہ پھر طرح طرح کے دباؤ پڑتے رہیں یا ہمارے خیالات و افعال پر بندشیں رہیں یہ بات اس وقت تک مناسب طور پر ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ کوئی جابر حکومت ہمارے سروں پر مسلط ہے۔ اور ذاتی

ترقی کی مانع ہے۔ لہٰذا ہر سمجھدار شخص کا عموماً اور طالب علموں کا خصوصاً یہ فرض ہے کہ وہ سیاست کے نظری اصول میں پورا حصہ لیں۔ گورنمنٹ آجکل کانگریسی ہے اور ہر شخص کو آزادی دی گئی ہے کہ جو چاہے کرے۔ کانگریس کا مقصد یہی ہے۔ قدرتی طور پر اس کا تعلق زیادہ تر او نچے درجہ کے لڑکوں سے ہے جو زندگی میں داخل ہوا ہی چاہتے ہیں نہ کہ چھوٹی جماعتوں کے بچوں سے جو ابھی ان معاملات سے کافی دور ہیں لیکن ان مسئلوں کو سمجھنے کے لیے صرف اصولی اور دماغی ہی باتیں کافی نہیں ہیں بلکہ عملی جد و جہد بھی لازمی ہے اگر صرف تعلیمی ہی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تب بھی یہی امر ضروری ہے کہ طلبا اپنے لکچر ہال چھوڑ کر حقیقت حال کے مشاہدوں کی غرض سے شہروں اور دیہاتوں کے گلی کوچوں میں جائیں، کھیتوں اور ملوں کو جا کر دیکھیں اور کچھ حد تک لوگوں کی مختلف تحریکوں میں جس میں سیاسی تحریک بھی شامل ہو حصہ لیں مگر پھر بھی یہ لازمی ہے کہ علم اور عمل کے درمیان ایک حد مقرر کر دی جائے ہر طالب علم کا فرض اولین کہ وہ اپنے دماغ اور جسم کی مناسب تربیت کرے تاکہ اُن اعضا کو وہ تخیل فہم اور عمل کا مناسب ذریعہ بنا سکے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ گریجویٹ نہ ہوں۔ البتہ نوکری کا خیال دل سے نکال ڈالیے یہ عقیدہ رکھیے جو آپ خود چاہینگے وہ ہوگا اور خدا کے لیے غریب باپ کا روپیہ فضول مقابلے کے امتحان میں بیٹھ کر نہ گنوائیے کیونکہ آخری نتیجہ مایوسی ہوتا ہے بہت کم لوگ کامیاب ہوتے ہیں اور آپ عجیب یوں مناتے ہیں کہ میں قابل ہوں، ۸۰ فی صدی نمبر لے کر انٹرویو میں میرے ساتھ بے ایمانی ہوئی کیونکہ سفارش نہ تھی۔ افسوس زیادہ تر لوگ یقین کر لیتے ہیں۔ یقین کرنے سے پہلے پوچھیے کہ کبھی صاحبزادے نے ۸۰ فیصدی بی۔ اے و ایم۔ اے میں بھی نمبر پائے تھے؟ اگر نمبر لے تو ۴۵ فیصدی یا ۴۰ فیصدی بس پھر اپنی حالت کا پہلے اندازہ کیوں نہیں کر لیتے۔ اسی دل و دماغ سے ملک کے لیے کچھ کیجئے۔ جب تک کہ ان اعضا کی تربیت نہیں ہوتی طالب علم نہ تو کچھ سوچ سمجھ سکتا ہے اور نہ کارآمد عمل کر سکتا ہے۔ عملی کام کریئے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہندوستان کے نظام تعلیم کا توازن ہی غلط ہے۔ ڈسپلن (تہذیب) کے بجائے ان تمام لوگوں کو کچل دیا جاتا ہے جو اندھے ہو کر اطاعت نہیں کرتے پھر کیا تعجب ہے کہ آزاد ملکوں کی طرح ہمارے یہاں ایسے لوگ نہیں پیدا ہوتے جو قطب شمالی یا جنوبی یا ایورسٹ کو سر کرنے کی کوشش کریں جو عناصر پر قابو حاصل کریں۔ انھیں انسان کے تابع کر دیں اور جو انسانی جہالت جھجک قدامت پرستی۔ اور اپنے کو ہیچ سمجھنے کا کھلم کھلا مقابلہ کر کے انسانیت کو اوج ثریا پر پہونچا دیں؟

کیا طلبا کو سیاست میں حصہ لینا چاہیئے؟ کیا انھیں زندگی اور اسکی جد و جہد میں شریک ہونا چاہیئے؟ یا انھیں صرف ایک غلامانہ ذہن پیدا کر لینا چاہیے۔ جس کا مقصد اوپر کے احکام کو پورا کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ طالب علم ہونے کی حیثیت سے وہ سیاسیات سے باہر نہیں رہ سکتے۔ اور ہندوستانی طالب علم ہونے کی وجہ سے انھیں سیاسیات سے اور بھی زیادہ وابستہ ہونا چاہیئے۔ یہ صحیح ہے کہ نشوونما کی منزل پر اُن کا مطمح نظر جسمانی اور دماغی تربیت پر ہونا چاہیئے انھیں ایک قسم کی ڈسپلن پر عمل کرنا چاہیئے مگر وہ ڈسپلن ایسی نہ ہو جو دماغ کو کچل دے اور جذبات کو فنا کر دے۔

یہ تو پر امن زمانوں کا ذکر ہے۔ لیکن جس وقت امن کے زمانوں کے اصول ختم ہو جاتے ہیں ایک غیر معمولی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جنگ عظیم کے زمانے میں انگلستان، فرانس اور جرمنی کے طالب علم آخر کہاں تھے؟ وہ ہرگز کالجوں میں یا درجوں میں نہ تھے۔ بلکہ خندقوں میں خندہ پیشانی سے موت کا مقابلہ کر رہے تھے اور اُس کا مزہ چکھ رہے تھے؟ ایک غلام ملک میں کچھ حد تک ہمیشہ ہی غیر معمولی کیفیات موجود رہتی ہیں یہی حال ہندوستان کا بھی ہے۔ ملک کے ان مسائل کے سمجھنے کے لیے ہمکو اپنے ماحول اور دنیا کی بڑھتی ہوئی غیر معمولی حالت کو مد نظر رکھنا چاہیے اور جب ہم ان معاملات کو سمجھ لیتے ہیں تو زندگی کے واقعات میں حصہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ خدا کرے ہم کو اب بھی (ابھی وقت گیا نہیں ہے) اپنی غفلت کا احساس ہو اور ثابت کر دیں کہ ہم ایک زندہ قوم میں سے ہیں لیکن کیسے؟ سونے سے نہیں عملی کام کرنے سے

بقیہ مضمون صفحہ ۲ کالم ۲ ۔ میں درج ہوئی تھی) انکو صوبہ داری سے اول تعلقداری ضلع اورنگ آباد میں پٹیکاری پر گئے (۳) محمد شمیم علوی (خلف منشی محمد خلیل حسنا) کی نوکری ختم ہوگئی (۴) منشی عنایت علی تاگہ دار عنبر کی منصری کی ترقی کی امید ہے کیونکہ مستقل شخص نے رخصت بڑھالی ہے (۵) منشی اعجاز حسین علوی اعجاز کو دوسرے تیسرے بخار برابر آجاتا ہے (۶) منشی احمد محسن علوی کی تنخواہ کا گریڈ بڑھا ہے (۷) بیوہ حکیم ظہیر علی مرحوم پر

اور ہم ہی رہ گئے

اگر آپ چھٹے درجہ تک پڑھا ہے تو لیث لطیف سے یقینی یارانہ ہوگا۔ مگر وہ بیچارہ کسی مولوی اسمٰعیل کے ایسے مولف کتب درسی کی مخلوقات میں سے تھا۔ یہاں تو اچھے خاصے بٹے کٹے موٹے تازے مسلم الف دال میم اور یے کا ذکر آگیا ہے۔

راجہ میاں کو بحری سفر کا بہت شوق تھا۔ آدمی تھے عقل کے کچے اور گانٹھ کے پورے۔ جبین صاحب اور مولا خان دو تعلیم یافتہ قسم کے دوست مل گئے۔ اور دونوں کو کچھ کچھ ولایت کا شوق تھا۔ راجہ کے پاس باپ دادا کی گاڑھی کمائی بھی بڑی تھی۔ ذہنی ہوتی تو اس کا کچھ درد بھی ہوتا۔ دوست بھی ایسی صائب رائے دینے والے کہ وہ چاہے دوزخ میں جائے یا جنت میں۔ اپنا اُلّو تو اُلّو گدھا بھی سیدھا ہے۔ بیٹھے بیٹھے طے ہوگیا کہ چاہے مسلم لیگ اور نیشنل کانگریس کسی حالت میں ہوں مگر لندن تک سفر تو ضرور کیا جائیگا۔ آخر کار جلد ابتدائی مراحل چٹکی بجاتے طے کرا لئے گئے۔

خدا وہ دن لایا کہ بمبئی پہونچے۔ جہاز کی روانگی کی تاریخ دریافت کی گئی اور روز مقررہ پر تینوں دوست بندرگاہ پر وارد ہوگئے۔ وہاں کچھ سناٹا دیکھا تو دفتر میں جاکر پوچھا کہ کیوں حضرت جہاز کتنے بجے جائیگا۔ معلوم ہوا کہ آج تو صبح ہی کو جاچکا۔ اب پرسوں منگل کو جائیگا۔

لاحول ولا قوۃ۔ ہوٹل سے آنے میں صرف چار گھنٹے کی دیر ہوگئی جبین جھنجھلا کر بڑا لطیفہ کہنے لگے کہ عجیب خرف ہے جہاز۔ یعنی ہم بمبئی آئے اتنی دور لکھنؤ سے اسی واسطے کہ جہاز پر سوار ہوں۔ اگر کمبخت ذرا دیر اور انتظار کرلیتا تو کچھ اس کے پیر گھس ہوجاتے۔ خیر اگلی بہت جلد آئینگے۔

ابھی منگل نے ظاہر ہونا شروع ہی کیا تھا کہ سب کے سب بندرگاہ پہونچے۔ مولا خان صاحب نے ٹیکسی سے اترتے ہی فرمایا کہ بس اب جہاز ہی پر اطمینان سے منہ دھلے گا۔ ان جہاز والوں میں وضعداری اور دستور نوازی تو چھو بھی نہیں گئی ہے۔ اتوار والا جہاز علی الصباح چھوڑ دیا تھا اب آج منگل ہوا تو جاکر کہتے ہیں کہ صاحب شام کے ساڑھے پانچ بجے چھوڑینگے۔ اصرار بھی کیا کہ حضرت دو ایک روپے زیادہ لے لیجئے اور جہاز ابھی چھوڑ دیجئے مگر وہ کیا بیوقوف آدمی ہے ہنسکر چلدیا۔ سارا الارم لگاکر سونا اور بے منہ دھوئے اور بغیر ناشتہ کا باسی پان ہی ٹھونکے ہوئے گھر سے نکلنا بیکار ہی تو گیا۔ اسی چپقلش میں گھڑیوں میں کوک نہ دے سکے۔ سب کی گھڑیاں بارہ ایک دو بجے بند ہوگئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساڑھے پانچ بجے سے پہلے جو بندرگاہ پر پہونچے تو ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ راجہ میاں نے اترتے ہی سڑک کی گھڑی دیکھکر کہا کہ ابھی ابھی تو کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ جہاز چھوٹنے کے ایک ہی گھنٹے کے بعد پہونچے۔ واللہ گھڑی نے دھوکہ دیدیا ورنہ ہم تو صبح سے تیار تھے۔ بس اب جمعرات والا جہاز ہرگز نہ چھوٹنے پائے۔

اس درمیان میں ولایت جانے کے لوازمات سیکھ لئے گئے۔ سوٹ پہننا سگریٹ پینا تو آجکل پیدا ہوتے ہی آجاتا ہے۔ پانی کے استعمال کو ترک کرنا بھی آگیا۔ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔ دولہن وہی اچھی جو سسرال والوں میں گھل مل جائے۔ یہ سب کو کرنا ہی پڑا۔

جمعرات کے دن صبح ہی کو سب سامان جہاز پر لدوا دیا گیا۔ کمرہ دیکھ لیا گیا۔ راستے معلوم کرلئے گئے۔ جہاز کی سیر کرلی گئی۔ کپتان سے ملاقات ہوگئی۔ دو ایک پرانے سفر کرنے والوں سے راستہ میں آڑے وقت پر کام آنے کا وعدہ بھی لے لیا گیا۔ ڈھائی بجے روانگی کا وقت تھا۔ یہ طے ہوا کہ یک بینی و دو گوش تو سوار ہونا ہی ہے۔ ڈیڑھ بجے جبین صاحب کی طرف سے پرسی ہوٹل میں لنچ کھاکر آجائیں گے۔

الحمدللہ کہ ابکی بالکل ٹھیک وقت پر پہونچے۔ دو بجکر پچیس منٹ آئے تھے۔ نیچے کھڑے ہوکر باتیں کرنے لگے۔ سیٹیاں بجیں۔ امام ضامن بندھے خدا حافظ ہوا۔ رخصتی کے آخری الفاظ کہے جارہے تھے کہ جہاز نے ایک جھرجھری لیکر کھسکنا شروع کیا۔ تو گھبراہٹ میں جبین صاحب اور مولا خان دونوں "راجہ میاں راجہ میاں چلو چلو" کہتے ہوئے لپکے اور جہاز پر چڑھ گئے۔ "راجہ جلدی کمرہ میں جاؤ۔ خدا حافظ اللہ کے سپرد کیا۔ عدن سے خط لکھنا۔ خدا حافظ۔ یہ سلامت روی و باز آئی"

راجہ میاں نے جہاز کو جاتے ہوئے پیچھے سے دیکھکر ایک ٹھنڈی سانس لی اور بیچارے نے پھر دفتر میں جاکر پوچھا کہ کیوں صاحب اب جو تھا جہاز کب جائیگا۔ وہ پھر تین دن کے بعد جاتا ہے۔ اہلکار نے کہا کہ کیوں۔ آپکے دونوں دوست تو روانہ ہوگئے۔ آپ کو کیا فکر ہو۔ بیچارے راجہ میاں نے فرمایا کہ وہ دونوں مجکو پہونچانے کیلئے بمبئی تک آئے تھے اور ہم ہی رہ گئے۔ فقط

محمد حبیب حسن نشتر

دورِ حاضرہ میں جنت اور دوزخ کا تخیل

(مولوی تحسین الدین علوی، بی۔ اے)

بقیہ یکم مئی سنہ ۳۹ء

دراصل اس وقت یورپ ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں جنت اور دوزخ کے بارے میں کافی قیاس آرائیاں کی گئی ہیں۔ ایک گروہ دوسری دنیا میں بالکل یقین کرتا ہے۔ یہ گروہ اہل علم حضرات پر مشتمل ہے جو اپنے تجربہ مشاہدہ اور آزمائشوں کی بنا پر حیات بعد الموت کو خیالی چیز نہیں تصور کرتا۔ بلکہ ایک اصلی اور حقیقی چیز۔ مثلاً ان لوگوں نے بہت سے ایسے تجربے کئے ہیں جن میں مُردوں کی آوازیں سنی گئی ہیں۔ اُن سے گفتگو کی گئی ہے۔ اور حد ہو گئی کہ انکی تصویریں بھی لی گئی ہیں۔

ان لوگوں میں پروفیسر آلیور لاج کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اُنکا خیال ہے کہ روح غیر فانی چیز ہے۔ بلکہ فقط روح ہی نہیں انکے نزدیک حافظہ اور انسانی کردار بھی اُسی زمرہ میں آتے ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ انسان اس عالم میں ترقی و نشو نما کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اُس میں بدرجہ ترقی طے کرنے کی خاص طور پر صلاحیت دی گئی ہے۔ اُن کے نظریہ کے بموجب یہ عالم اور عالم آخرت کوئی دو جداگانہ چیزیں نہیں ہیں۔ ہمیں صرف وقت کے تعین کی وجہ سے ماضی حال اور مستقبل علیحدہ علیحدہ چیزیں معلوم ہونے لگی ہیں حالانکہ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ازل سے لیکر ابد تک ایک راستہ چلا گیا ہے۔ جس کے برابر برابر انسان چلا جا رہا ہے۔ راستہ میں گھاٹی اور پہاڑیاں ہیں وہ کسی گھاٹی میں اوجھل ہو گیا آپ نے کہدیا وہ مر گیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ آپ کی نظر سے پوشیدہ ہو کر متواتر اور مسلسل اسی طرح بڑھا چلا جا رہا ہے۔

پروفیسر موصوف کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ ترقی بری باتوں میں نہیں ہو سکتی ہے۔ جس طرح ہمیں یہاں موقع ملتے ہیں دوسری دنیا میں بھی موقع ملیں گے اگر ہم نے اُن سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا تو ہم آگے بڑھتے رہیں گے۔ ورنہ انحطاط کے شکار ہو جائیں گے۔

یہ مسائل مسلمانوں کے لئے بھی مابہ النزاع رہے ہیں۔ علما میں آپس میں خود ہی اختلاف ہے۔ البتہ اس وقت روشن خیالی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ اور اُس سے اسلام کے عقائد بھی متاثر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ایک روشن خیال مسلمان ایک عجیب مخمسہ میں پڑ گیا ہے۔ اگلے زمانہ کے لوگ کچھ کہتے تھے موجودہ زمانہ کے لوگ کچھ اور الاپ رہے ہیں۔ اس کے باوجود بھی پڑھے لکھے لوگوں میں یہ عقیدہ پیدا ہوتا جاتا ہے کہ جنت اور دوزخ کوئی جسمانی چیزیں نہیں بلکہ کلام مجید میں ایسی تشبیہوں اور استعارات سے کام لیا گیا ہے کہ اس کے مطالب جاہل اور عالم دونوں سمجھ جائیں۔ جس طرح مغربی فلسفیوں کا خیال ہے کہ جسم کے فنا ہونے کے بعد روح یا شخصیت کی نشو نما رک نہیں سکتی اسی طرح قرآن کی اس آیت سے نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ وَ فَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ یعنی بلند کرتے ہیں ہم درجے جس کے چاہتے ہیں اور ہر ذی علم سے بڑھکر خدا نے ذی علم پیدا کیے، اِس بات کی تائید کی جاتی ہے۔

یورپ کے بعض فلاسفروں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد تکلیف بالکل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تکلیف جسم کی وجہ سے ہوتی ہے اور جب جسم ختم ہو چکا تو پھر تکلیف کیسی۔ وہ کہتے ہیں عالم آخرت میں خوشی ہی خوشی ہے۔ اور وہاں انسان حقیقی مسرت سے ہم آغوش ہو گا۔ اسیطرح یہودی اور آتش پرست بھی اپنے عقیدوں سے ہٹ رہے ہیں۔ اول الذکر پہلے کہتے تھے کہ انسان مرنے کے بعد فوراً ہی جنت یا دوزخ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرح وہ عالم برزخ کو نہ مانتے تھے۔ اس وقت اس عقیدہ میں بھی تغیر ہو رہا ہے۔ اور افراتفری یہ ہے کہ زندگی اور حشر کے درمیان ایک خاص زمانہ کا تعین کرنا عبث اور بے معنی ہے اور قانونِ ارتقا کے بالکل خلاف ہے۔ ایک عرصہ تک انسان کو معطل رکھنا اور پھر از سر نو اُسے زندہ کرنا کیا معنی۔ اگر روح کے لیئے کوئی لائحہ عمل مرنے کے بعد فوراً ہی تجویز کر دیا گیا تھا تو اُسکی اسیوقت سے پابندی شروع ہو جانا چاہیئے۔ عیسائی کہتے تھے نہیں مرنے کے بعد انسان کی روح سو جاتی ہے اور وہ بہت عرصہ کے بعد بیدار کی جاتی ہے۔ عہد جدید کے "بقراط" کہتے ہیں یہ سب غلط ہے موت کے بعد انسان کو تھوڑا وقفہ دیا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی زندگی بسر کرنے کے لیئے اپنے کو تیار کرے اور وہ اُسی تیاری کے بموجب ترقی کرتی ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں اسلام میں بھی اسی عقیدہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہاں "بخشش" اور "مغفرت" کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ روح کثیف ہو جاتی ہے اور اُسے اتنا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی کثافت دور کرے۔ اب اگر اُس کی لطافت عود کر آئی تو گویا اسکی مغفرت ہو گئی اور اگر اسمیں آلودگی اتنی ہوتی کہ انسان کی روح اُسے دور نہ کر سکی تو گویا وہ مغفرت سے محروم ہو گیا۔

غرضکہ اس وقت ہر مذہب میں جنت اور دوزخ کی نوعیت بالکل بدل گئی ہے۔ عیسائیوں، یہودیوں اور ایک حد تک مسلمانوں میں بھی یہی خیال تقویت پا رہا ہے کہ جنت اور دوزخ خود انسان ہی کے دل میں موجود ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ گناہ کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی اطاعت نہ کرنا اور اس عدول حکمی سے جو دل میں خلش یا تکلیف پہونچتی ہے وہ خود ایک قسم کی سخت سزا ہے، اسی کو دوسرے لفظوں میں دوزخ کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح جنت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسی جگہ ہوگی کہ جہاں انسان کی خواہش اور اُس کی شخصیت کو ایک نئی آب و ہوا میں رہنا ہوگا۔ یونانیوں اور بدھ مذہب کے ماننے والوں نے صفائی قلب پر بہت زور دیا ہے۔ اُن کے نزدیک روح ایک نہایت ہی لطیف چیز ہے۔ اور اسی لئے اُسے قائم رکھنے کی بہت ہدایت کی گئی ہے تاکہ انسان غیب کی روحانی ذہنی اور پاک و لطیف زندگی یا کیفیت سے لطف اندوز ہو سکے۔

بہر حال ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جنت دوزخ کی آرام اور تکلیف کا خیال انسانی چال چلن کی اصلاح کے لئے بیکار معلوم ہوتا ہے اور جس زمانہ میں جنت اور دوزخ سے بہت زیادہ ڈرایا جاتا تھا اُسی زمانہ میں انسانیت معصیت سے آلودہ تھی خصوصًا یورپ تو سرتاپا گناہ ہو رہا تھا اور وہاں کے حالات ایسے ناگفتہ بہ تھے کہ وہاں کی تاریخ آجتک اُن سے سر بگریبان ہے۔

اس کے علاوہ جنت اور دوزخ کو اس زمانہ میں قوم کی اصلاح کا ایک نہایت ہی موثر آلہ سمجھا جاتا تھا مگر اب اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے لئے خوف و ہراس کے برعکس انفرادی اور شخصی آزادی کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور یورپ میں بالعموم اس تعلیمی اصول پر کاربند ہونا اچھا سمجھا جاتا ہے کہ ذہنی اور دماغی قوتوں کی نشو و نما کے لئے ہر انسان کی رضا جوئی ضروری ہے۔ اور ڈرانے دھمکانے اور دوسری کے روح فرسا مناظر کی مصوری کے بجائے اُس کے لئے ایک ایسی فضا مہیا کرنا چاہئے جہاں وہ اپنی استعداد اور جوہر قابل کے موافق ترقی کر سکے۔ اس نظریہ سے بلاشبہ جنت اور دوزخ بھی متاثر ہوئی ہے اور اس لئے روز بروز اس کی اہمیت کم ہوتی جاتی ہے۔

البتہ سائنس بیچاری کو آئے دن نت نئی باتوں سے سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انیسویں صدی میں اُس سے اور مذہب سے معرکہ آرائی ہو رہی تھی یہاں تک کہ اُسی کو فتح نصیب ہوئی۔ مگر اب عجیب قصہ ہے۔ وہ جوں جوں نئی نئی تحقیقات کر رہی ہے۔ اور فطرت کو برافگندہ نقاب کرتی جاتی ہے اُسے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں تو وہی جلوے ہیں جنھیں مذہب کی آنکھیں نہ معلوم کتنے دن پیشتر دیکھ چکی ہیں۔

ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کسی پرچہ میں ایک بیالیس سال کی عورت کے بارے میں ایک حیرت انگیز قصہ شائع ہوا تھا۔ وہ سن لیجئے۔ لکھا تھا کہ تھریس جو کہ یوریا کے کوہستانی علاقہ سے تعلق رکھتی ہے ہر جمعہ کو مر جاتی ہے۔ اور سنیچر کو پھر زندہ ہو جاتی ہے۔ یہ سب اس طرح پیش آتا ہے کہ جمعہ کی صبح سے اُس کا کھانا پانی چھوٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ محسوس کرتی ہے کہ اس کے سر پر وہی کانٹوں کا تاج رکھا ہے جو حضرت عیسیٰ کے سر پر اُن کو صلیب پر چڑھاتے وقت رکھا گیا تھا۔ اُسی طرح اس عورت کے بھی ناخونوں سے خون بہنے لگتا ہے اور اُس کے چہرہ پر کانٹوں کے داغ بنجاتے ہیں۔ وہ بالکل مردہ ہو جاتی ہے۔ سنیچر کو وہ زندہ ہونا شروع ہو جاتی ہے اور شام تک وہ بالکل اپنی اصلی حالت میں آجاتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ برسوں سے اُسنے کوئی غذا نہیں کھائی ہے۔ فقط پانی پیتی رہتی ہے۔

سائنس اس کا کیا جواب دے سکتی ہے؟ اور کیا اگر وہ کوئی جواب دے تو اسے تشفی آمیز کہہ سکتے ہیں؟

کیوں کہ ایک نکتہ یہ بھی تو ظاہر ہے کہ پہلے وہ بہت سی چیزوں کا انکار کرتی تھی۔

وطن کی خبریں

نوٹ :- اعزہ و احباب اور جملہ اہل وطن سے جو باہر ہیں یا وطن میں گذارش ہو کہ اپنے یہاں کی قابل اندراج خبریں اور اطلاعات دفتر میں روانہ کر کے مشکور کرتے رہیں۔ (اڈیٹر)

موسم :- دو ہفتہ سے بارش بالکل نہیں ہوئی۔ دن کو عموماً دھوپ تیز ہوتی ہے۔ جس وگرمی سے دن بھر زیادہ تکلیف رہتی ہے۔ البتہ رات کسیقدر اچھی گذرتی ہے۔ اور بعد غروب آفتاب کچھ ٹھنڈک ہو جاتی ہے۔ امساک باراں سے زراعت کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ رحم فرمائے۔ ۲۹ تاریخ کو شام کے وقت معمولی ترشح ہوا۔

آب و ہوا :- ملیریا بخار اور انفلیوانزا کی عام طور پر شکایات سُنی جاتی ہیں۔ دن کو شدید گرمی پڑنے سے اندیشہ رہتا ہے کہ پھر کوئی وبائی شکایت نہ پیدا ہو جائے۔ باری تعالیٰ اپنا فضل رکھے۔

تبادلہ :- سید نائب حسین صاحب، اوورسیر محکمہ نہر، جو گذشتہ اپریل میں ۴ ماہ کی رخصت پر گئے تھے۔ شروع اگست میں رخصت سے واپس آئے اور اپنی جگہ کا چارج لیا تھا کہ دفعتاً اُن کے تبادلہ کا حکم بذریعہ تار موصول ہوا اور ضلع علیگڈھ میں تعیناتی ہوئی ہے۔ اوورسیر صاحب موصوف نے سات سالہ قیام میں اپنے اخلاق و اخلاص سے جو ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی اُس سے نہ صرف اُن کے وسیع حلقۂ احباب کو دفعتاً تبادلہ کی خبر سُن کر انتہائی قلق و صدمہ ہوا۔ بلکہ زراعت پیشہ حضرات بھی افسردہ ہوئے۔ ہم کو یاد ہے کہ ۳۷ء و ۳۸ء میں قلت باراں سے اس نواح کے لوگ بہت پریشان تھے اُس وقت اوورسیر صاحب موصوف نے اپنے علاقہ کی نہروں کو بہت عمدہ حالت میں رکھا اور آبپاشی کے اوقات پر کافی پانی پہونچایا۔ اور وقت وقت پر کاشتکاروں کو کھیتوں کے سینچنے میں مدد دی اور کسی کو بھی وقت پر پانی نہ ملنے سے فصل کا نقصان نہیں ہونے پایا ساتھ ہی گورنمنٹ کی آمدنی میں بھی کافی اضافہ ہوا تھا۔ اور کاشتکاروں کی خوشحالی میں بھی ترقی ہوئی تھی۔ اس وقت جبکہ امساک باراں سے کاشت کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ کیا جاتا ہے کاشتکاری طبقہ اوورسیر صاحب کے تبادلہ سے بہت متاسف ہے۔ کیونکہ ۴ ماہ کی رخصت کے زمانہ میں کاشتکاروں کو وقت پر نہروں سے پانی نہ ملنے کی شکایات سُنی گئی تھیں۔

الوداعی پارٹیاں :- سید نائب حسین صاحب اوورسیر کے تبادلہ کے سلسلہ میں ۲۶ اگست کی شام کو ڈاکٹر سید محمد ہاشم و منشی محبوب احمد و جلیل و حید خان اور منشی محمود الحسن صاحبان کی جانب سے پُرتکلف بڑے پیمانہ پر اوورسیر صاحب کو رخصتی پارٹی دیگئی۔ جس میں قصبہ کے ہر طبقہ اور جماعت کے حضرات کو مدعو کیا گیا تھا۔ پارٹی میں ہر شخص اوورسیر صاحب کے اخلاق و خلوص کا ثنا خوان تھا اور اُن کے دفعتاً تبادلہ پر بہت افسردہ متاسف پایا جاتا تھا۔ ختم پارٹی پر منشی سعید احمد علوی نے مختصر مگر پُر اثر لفظوں میں اوورسیر صاحب کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے ہوئے اُن کے تبادلہ پر اظہار تاسف کیا اور جمیع حضرات کی جانب سے شکریہ ادا کرتے ہوئے خواہش ظاہر کی کہ اوورسیر صاحب اپنے احباب اور نیازمندوں کو بھولیں گے نہیں اور اوورسیر صاحب نے مناسب الفاظ میں اظہار تشکر کرتے ہوئے اپنے احباب اور جمیع حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

۲۷ اگست کی صبح کو منشی حبیب الرحمٰن علوی نے اوورسیر صاحب کے اعزاز میں رخصتی پارٹی دی اور بوقت روانگی ہار پہنایا اور منشی سعید احمد علوی نے ایک مکلف پانوں کی ہانڈی ہدیتاً پیش کی۔ ختم پارٹی کے بعد اوورسیر صاحب لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت اُن کے احباب و شناسا بہت متاثر تھے۔ اور اوورسیر صاحب بھی چشم پُرآب تھے۔

صحت و تندرستی :- (۱) چودھری محمد اسمٰعیل صدیقی، (چودھری محلہ) کے سرطانی پھوڑے کا زخم مندمل ہو رہا ہے اور طبیعت بھی چاق ہے۔ امید ہے کہ جلد زخم بالکل اچھا ہو جائے گا۔

(۲) حاجی مولوی مصطفےٰ احسن علوی، ایم۔ اے، فاضل دیوبند (شیخ سعدی محلہ) کے متعلق معلوم ہوا کہ لکھنؤ میں اُن کو شدید میعادی بخار آگیا تھا کئی دن بخار تیز رہا اب بخار کا کم ہونا معلوم ہوا ہے۔ البتہ ضعف بہت ہے۔

(۳) ریحانہ خاتون دختر قاضی راشد علیخاں عباسی، بی۔ اے کے غدود بیہوشی سونگھا کر بذریعہ اپریشن نکال دیئے گئے۔ اپریشن حلق و ناک میں کیا گیا تھا۔ ناک سے کئی دن خون آیا اور بخار بھی رہا۔ اب بخار نہیں ہے اور خون بھی بند ہو گیا ہے۔ بچی پہلے ہی ضعیف ہو گئی تھی اور اس طرف

آپریشن کی تکلیف اور مسلسل کافی غذا نہ ہونے سے ضعف اور بڑھ گیا۔ اُمید ہے کہ اُس کی تکلیف جلد دفع ہو کر والدین و اعزہ کے اطمینان کا باعث ہوگا۔

(۴) بیوہ قاضی اعجاز علیخان مرحوم، کے متعلق کلکتہ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ شکایتیں فی الجملہ رفع ہوگئی ہیں۔ اور قوت بھی عود کر رہی ہے اُسی تحریر سے مسٹر اظہار علی عباسی کے صاحبزادے کے ہرج طبیعت کی اطلاع ملی ہے۔ خدا کرے اس درمیان میں بچہ کی تکلیف رفع ہوگئی ہو۔

(۵) اہلیہ منشی عزیز علی علوی کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اب طبیعت رو باصلاح ہے۔ بخار اب بفضلہ نہیں ہے۔ صرف ضعف ہے جو بتدریج رفع ہو رہا ہے۔

(۶) والدہ منشی مشکور علی صاحب کو سُنا ہے کہ منہ کے اندر جبڑے میں دانے پڑ گئے ہیں جس سے مواد بھی آتا ہے۔ کھانے پینے میں تکلیف ہوتی ہے۔

علالتیں:۔ (۱) جناب شیخ فخر الحسن صاحب کے گھٹنے کے نیچے جو گلٹی تھی وہ تحلیل ہو رہی ہے۔ مگر گھٹنے کے اوپر کا ورم نہیں رفع ہوا ہے۔ جس سے اُٹھنے بیٹھنے اور نماز پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ بغرض تبدیل آب و ہوا چند روز کے لیے بسواں شیخ محمد ایوب صاحب کے پاس گئے ہیں۔

(۲) الحاج مولوی امیر احمد صاحب علوی بی۔ اے کے شانہ کا درد بدستور ہے بلکہ بعض دن تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ اس عرصہ میں بخیر کی کیفیت بھی بعض دن رہی۔ ان تکالیف کی وجہ سے بہت مضمحل رہتے ہیں۔

(۳) شیخ حیدر حسن عباسی کے متعلق دریافت ہوا ہے کہ شاہ آبادی حکیم صاحب کے علاج سے نفع ہو رہا ہے۔ کئی دن شاہ آباد میں قیام کے بعد شاہجہانپور واپس گئے۔ اور وقتاً فوقتاً شاہ آباد آتے جاتے رہتے ہیں۔ حکیم صاحب کی تشخیص میں صفراوی شکایات ہیں۔

(۴) یہ سُن کر انتہائی قلق ہوا کہ اہلیہ مولوی بدر الدین خانصاحب علوی (مولوی محلہ) سخت علیل ہیں اور لکھنؤ میں مشہور اطباء کے مشورہ سے علاج ہو رہا ہے آنتوں میں شکایت ہے اور بخار بھی رہتا ہے۔ اب اسہال بھی شروع ہو گئے ہیں اور غشی بھی عموماً رہتی ہے حالت نازک بیان کی جاتی ہے۔ باری تعالیٰ رحم فرمائے۔

(۵) معلوم ہوا کہ جناب حافظ شاہ اکرم علی صاحب کو دفعتاً پھر دماغی شکایات کا دورہ ہوا ہے۔ اعزہ و معتقدین معالجہ کی کوشش کر رہے ہیں۔

(۶) اطلاع ملی ہے کہ مولوی سمیع اللہ صاحب انصاری (فرنگی محلی) کی ۱۲ سالہ لڑکی منشی مشکور علی علوی، کی بھانجی کے پیر پر کھولتا ہوا پانی گر پڑا جس سے پیر پر بہت بڑا آبلہ پڑ گیا تھا۔ میڈیکل کالج میں علاج سے سکون نہیں ہوا۔ ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب نے ایک مرہم لگانے کی تجویز کی ہے۔

متفرقات:۔ (۱) حضرت شاہ تقی علی قلندرؒ و حضرت شاہ علی اکبر قلندرؒ کے فاتحے سالانہ حسب دستور قدیم ۱۶ رجب ۵۸ھ مطابق ۳ ستمبر ۳۹ء بروز یکشنبہ بعد نماز مغرب تکیہ شریف کاظمیہ پر ہوں گے۔

(۲) قصبہ میں متعدد محلہ جات سے معمولی چوریوں اور بعض جگہ نقب زنی کی اطلاعات ملی ہیں۔ سُنا ہے کہ دو تین چھینے منظم طریقہ پر موضع بسیہ (من مضافات کاکوری) میں بڑے پیمانہ پر زیر سرپرستی . . . . ہوا ہونے کے بعد اب قصبہ میں چوریوں اور نقب زنی کے واقعات شروع ہو گئے ہیں۔ پولیس کو پوری طرح انتظام کرنا چاہیے اور ایسے افراد کا جن کے چال چلن مشتبہ پائے جائیں چالان کر کے قصبہ کو پاک و صاف کر دینا چاہیے۔ یہ معلوم ہوا کہ پولیس نے معمولی چوریوں اور بعض مقامات پر نقب زنی کے واردات کی تحقیقات کی اور کن کن اشخاص کو مشتبہ پایا۔ اسی سلسلہ میں افسوس کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ عزیز احمد علوی کے یہاں نقب زنی کے ذریعہ چوری کا کوئی پتہ پولیس نہ لگا سکی اور کچھ بھی سامان خواجہ صاحب کا نہ ملا۔

(۳) یہ سن کر خوشی ہوئی کہ ہر دو گرلز اسکول میں جو اس وقت تک صرف چوتھے درجہ تک تھے مزید درجہ کھولکر مڈل تک کی تعلیم کر دیگئی ہے۔ قصبہ کے ہندو مسلمانوں کو مزید دلچسپی کا اظہار کرنا چاہیے۔ زیادہ تعداد میں اپنے لڑکیوں کو مدرسہ میں بھیجیں۔ ہیڈ مسٹرس مسلم گرلز اسکول کی محنت و توجہ قابل ستائش ہے کہ وہ ہر طرح پر اپنے مدرسہ کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

اورنگ آباد کی اطلاعات:۔ میر نذر علی صاحب علوی ذردو بذریعہ خط مورخہ ۱۰ اگست (موصولہ ۱۹ اگست) اطلاع کرتے ہیں کہ:۔

(۱) امساک باران سے موسم خراب ہو گیا ہے اور قحط کے آثار ہیں۔

(۲) منشی نصیر احمد علوی دہلی کی ترقی کی اطلاع گذشتہ اشاعت میں

یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ میں باہتمام سید توسل حسین طبع ہو کر دفتر کاکوری ضیا مولوی محلہ (لال علی) کاکوری سے سید محمد مشیر الدین صاحب نے شائع کیا۔